فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید کا مسئلہ

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب
مہتمم دار العلوم دیوبند

پچھلے دنوں جامعہ ملیہ دہلی میں فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید کے عنوان سے ایک اہم سیمینار ہوا جس میں ملک کے دانشوروں اور مفکرین نے شرکت کی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، نے اس تاریخی سیمینار کی صدارت فرمائی اور اپنے بصیرت افروز خطبہ کے ذریعہ موضوع بحث کی حدود متعین کرکے تبادلۂ خیال کے لئے معقول و مناسب جہتیں واضح کردیں ہم اس اہم موضوع پر مقالہ نگار دامت برکاتہم کے خیالات قارئینِ الحق کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ " ادارہ "

۲۶ دسمبر ۱۹۷۶ء کو ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ اسلامیہ دہلی کے ایک غیر معمولی اور عظیم اجلاس میں شرکت ہوئی جس کا موضوع تھا " فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید کا مسئلہ " اس اجلاس میں ملک کے تمام مرکزی اداروں کے نمائندوں اور تقریباً ہر مکتبِ خیال کے فضلاء اور دانشوروں نے شرکت کی، اجلاس کی اہمیت صدر جمہوریہ ہند عالی جناب فخر الدین علی احمد کی شرکت سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ احقر ناکارہ کو صدرِ اجلاس منتخب کیا گیا، چونکہ صدر مملکت نے صرف ایک گھنٹہ دیا تھا اس لئے اجلاس کی پہلی نشست کی ساری کاروائی ایک ہی گھنٹہ میں پوری کی جانی ضروری تھی۔ ابتداء میں شیخ الجامعہ پروفیسر مسعود حسین صاحب نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور اس کے بعد محترم ضیاء الحسن صاحب فاروقی پرنسپل جامعہ کالج و ڈائرکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ نے اجلاس کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی، پندرہ پندرہ منٹ صدرِ جلسہ اور صدرِ مملکت کی تقریروں کے لئے تھے۔ احقر نے اولاً اپنی تقریر سے جلسہ کا افتتاح کیا، لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے چونکہ اس اہم موضوع پر کوئی تفصیلی روشنی ڈالنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے تقریر میں چند بنیادی اور اساسی نقاط ہی بیان کئے جاسکے، البتہ نشست کے اختتام پر جب اس کا ذکر آیا تو

ذمہ داران جامعہ نے اسے مناسب خیال فرمایا کہ یہ تفصیلات نقاط، مقالہ کے طور پہ لکھ کر ارسال کر دی جائیں جس میں باقیماندہ نقاط بحث بھی شامل ہوں۔ اس لئے یہ مقالہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں وہ سب بنیادیں بھی ہیں جو اجلاس میں زبانی بیان کی گئی تھیں۔ اور باقیماندہ نقاط بھی آ گئے ہیں جو وہاں بیان میں نہ آ سکتے تھے۔ ممکن ہے کہ ترتیب میں فرق ہو، لیکن مقاصد سب آ گئے ہیں۔

فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس موضوع کے سلسلہ میں چند بنیادی نقاط پیش کر دوں جنہیں فکر جدید کی تعمیر اٹھانے والے حضرات کو پیش نظر رکھنا میرے نزدیک از بس ضروری ہے۔

پہلے بطور تمہید کے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ عالم بشریت میں فکر و تفکر ایک ایسی عظیم اصولی بلکہ اصل الاصول قوت ہے کہ انسان کی ساری معنوی قوتیں اسی کے نیچے آئی ہوئی ہیں اور سب اسی کی دست نگر ہیں جو بلا فکر ایک قدم بھی کسی میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتیں خواہ حواس خمسہ ہوں یا عقل و دانش، ذوق و وجدان ہو یا بصیرت و تفقہ حدس و تجربہ ہو یا جوہر و قیافہ ان سب کا قائد اور محرک فکر ہی ہے۔ پھر یہ فکر نہ صرف یہ کہ انسان کی تمام معنوی قوتوں کا سرچشمہ ہی ہے بلکہ خود انسان کی ایک ایسی امتیازی خصوصیت بھی ہے جس سے اسکی انسانیت پہچانی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ قوت انسان کے دوسرے ابنائے جنس (حیوانات) نہیں اس لئے اگر اس فکری قوت کو انسان کی ماہیت کا حقیقی معرف کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حواس خمسہ ہوں یا عقل و دانش،
ذوق و وجدان ہو یا بصیرت و تفقہ، حدس و تجربہ ہو یا جوہر و قیافہ
ان سب کا قائد اور محرک فکر ہی ہے۔

انسان کی مشہور و معروف تعریف حیوان ناطق یا حیوان عاقل سے کی جاتی ہے، لیکن غور کیا جائے تو اس سے انسان کا کوئی امتیاز بخش تعارف نہیں ہوتا کہ اسے انسان کی حد تام یا جامع و مانع تعریف سمجھ لیا جائے۔ کیونکہ عقل کا تھوڑا بہت جوہر غیر انسان حتیٰ کہ حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک کتے کو بھی اگر ایک جگہ ٹکڑا ڈال دیا جائے تو اگلے دن وہ پھر اسی جگہ آ موجود ہوگا۔ گویا وہ قیاس کرتا ہے کہ جب آج اس جگہ ٹکڑا ملا ہے تو کل کو بھی مل سکتا ہے اور جب مل سکتا ہے تو پھر اسی جگہ پہنچ جانا چاہیئے یہ صغریٰ کبریٰ ملانا آخر عقلی قیاس نہیں ہے تو اور کیا ہے، خواہ وہ تعبیری اور لفظی نہ ہو مگر ایک حقیقت تو ہے۔ نیز عرف عام میں بعض جانوروں کو چالاک اور ہوشیار کہا جاتا ہے جیسے لومڑی، اور گدھے، بھینس کو عام طور سے احمق اور بلید کہتے ہیں۔ سعدی شیرازیؒ نے کہا تھا کہ

مسکین خر اگرچہ بے تمیز است
چون بار ہمی برد عزیز است

اور کسی نے بھینس کے بارے میں بھی کہا ہے کہ:

خاموش بے وقوف و بے ہوش
چوں شیر دہد تو چشم از و پوش

اگران حیوانات میں عقل وشعور کی جنس ہی نہ ہوتی تو یہ نوعی تفاوت کی تقسیم صحیح نہ ہوتی جو عرفِ عام میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے ، اندریں صورت عاقلیت یا دریافت معقولات علی الاطلاق انسان کی خصوصیت قرار دے کر اس کی حدِ تام حیوان ناطق کو بتلایا جانا اور اس سے نوعِ انسانی کا تعارف کرایا جانا کوئی جامع مانع قسم کا تعارف نہیں ہوسکتا۔ البتہ فکر و تدبر کے راستے سے حقائق کا تجزیہ کرکے ان میں امتیاز قائم کرنا نئے نئے اکتشافات سے جزئیات پیدا کرلینا، جزئیات کو جمع کرکے ان سے کلیات بنانا، کلیات سے جزئیات کا نکال لینا اور جزئیات کے عواقب و نتائج کو سمجھنا نتائج کے معیار سے عواقب اور انجام دنیا و آخرت کو پیش نظر رکھنا نوعی خیر سگالی اور اس کی منظم تدبیریں اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے سوچ بچار وغیرہ بلاشبہ انسانی نوع ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ سب اسی فکر کے کرشمے ہیں۔ اس لئے انسانی حقیقت کی اگر کوئی جامع مانع تعریف ہوسکتی ہے تو وہ حیوان ناطق نہیں بلکہ حیوان متفکر ہوسکتی ہے۔ کیونکہ فکر مندی، فکر نمائی اور فکری پیمائش اور وہ بھی عمومی اور پوری نوع بشری کے لئے اور نہ صرف اس حیات کے لئے بلکہ حیات مابعد الموت تک کے لئے صرف انسان ہی کی خصوصیت ہے۔ جو اس کے دوسرے ابنائے جنس کو میسر نہیں اس لئے حیوان متفکر ہی کو انسان کی حدِ تام کہنا کچھ زیادہ قرین عقل نظر آتا ہے۔ پس یہ فکری قوت ہی انسان کی سب سے بڑی فعال قوت اور اس کی ساری معنوی قوتوں میں اُم الامر کی حیثیت رکھتی ہے اور یہی وہ طاقت ہے جس سے وہ کائنات میں متصرف اور ہر عنصری مخلوق سے اونچا سمجھا جاتا ہے۔ پھر یہی نہیں کہ انسان اس قوت کا ایک ظرف ہی ہے جس میں عقل و دانش ذوق و وجدان اور حدس و تجربہ وغیرہ جیسی قوتوں کی مانند فکر بھی ان ہی جیسی ایک قوت ہے اور دوسری قوتوں کی طرح وہ بھی کسی نہ کسی وقت اپنے محدود مخصوص دائرے میں کام دے جاتی ہے، بلکہ فکر کی طاقت اس کی تمام معنوی طاقتوں پر حکمران متصرف اور انکی روح ہے۔ جس کے اشاروں پر یہ ساری قوتیں آمادۂ عمل رہتی ہیں اگر کہیں نمائشی گردو فر کا بازار گرم ہو اور باجوں، گاجوں اور نعروں کی آوازیں فضا میں گونج رہی ہوں، لیکن اگر راہ گیر کسی دوسرے خیال میں مستغرق ہو، تو ان میں سے ایک چیز بھی نہ آنکھ کو نظر آئے گی نہ کان کوئی آواز سن پائے گا اور لاعلمی کے اظہار پر جب لوگ حیرت کریں گے تو وہ یہ کہے گا کہ میں تو فلاں بات کے فکر میں ڈوبا ہُوا تھا مجھے ان مناظر اور آوازوں کی کچھ خبر نہیں اس سے واضح ہے کہ آنکھ، کان خود نہ دیکھتے ہیں بلکہ قوتِ خیال و فکر ہی دیکھتی سنتی ہے، یہ آنکھ کی بینائی اور کان کی شنوائی فکر کے آلات و وسائل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

یہی صورت عقل و دور اندیشی کی بھی ہے کہ آدمی زیرک بھی ہو اور دانائے روزگار بھی سمجھا جاتا ہو لیکن وہ کسی نظریئے کی سوچ میں محو ہو تو دوسرے کتنے ہی عقلی نظریات اس کے سامنے رکھ لئے جائیں نہ وہ انہیں سمجھ سکے گا نہ ان کا شعور ہی پاسکے گا۔ کیونکہ اس کی قوتِ فکر یہ کسی دوسرے میدان میں مصروفِ جولانی ہے اور فکر کو فرصت نہیں ہے کہ وہ اس نظریئے پر غور کرسکے۔ اس طرح روحانی احوال و کیفیات کا ادراک بھی قوتِ فکریہ کے بغیر وجود پذیر

نہیں ہو سکتا اگر غیبی میدانوں میں فکر کی قوت متوجہ ہی نہ ہو یا کسی دوسرے روحانی مقام میں محو ہو تو دوسرے غیبی اور وجدانی لطیفے قلب پر بھی منکشف نہیں ہو سکیں گے۔ آخر مراقبات میں قوتِ فکر اور دھیان ہی کا تو استعمال ہوتا ہے احسان یا تصوف کے معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ کو اس طرح حاضر ناظر تصور کر کے آدمی عبادت میں مصروف ہو گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ سو یہ قوتِ فکر کا استعمال نہیں تو اور کیا ہے۔؟

بہر حال یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ انسان کی معنویت میں حقیقی کارپرداز صرف یہ فکر ہی کی قوت ہے وہ نہ متوجہ ہو تو قوتِ باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ اور قوتِ عاملہ سب معطل رہ جاتی ہیں۔ اس لئے جب وہ محسوسات کیطرف متوجہ ہوتی ہے۔ تو حواسِ خمسہ ہرکاروں کی طرح اس کے حکم پہ دوڑتے ہیں، جب عقلیات کیطرف منعطف ہوتی ہے۔ تو عقل ایک خادم کی طرح اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔ یہی قوتِ فکر جب غیبیات کی طرف چل نکلتی ہے تو وجدانِ ذوق اس کے اشاروں پہ کام کرتے ہیں۔

اس لئے قوتِ فکریہ نہ صرف یہ کہ انسان کی خصوصیت ہی ہے، جو اس کی ماہیت کا سرنامہ ہے۔ بلکہ اس کی ساری ہی اندرونی قوتوں کی روح اور ان کے حق میں محرک اور قائد بھی ہے۔ قرآن حکیم نے اپنے کلام معجز نظام میں اسی حقیقت کو واشگاف فرمایا ہے۔ چنانچہ جو قومیں ان حسی طاقتوں، آنکھ کی بینائی اور کان کی شنوائی وغیرہ کے ذریعے معجزات انبیاء کو دیکھتی تھیں اور ان کے پاک کلمات سنتی تھی مگر رضا و تسلیم کا نام نہیں لیتی تھیں تو قرآن حکیم نے اسکی وجہ آنکھوں کی نابینائی یا کانوں کی ناشنوائی قرار نہیں دی بلکہ دل کی نابینائی بتلائی ہے جو درحقیقت اس قوتِ فکریہ کی نابینائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔	(بات یہ ہے کہ) انکی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ سینوں میں دل اندھے ہیں۔ (جو فکر اور غور سے عاری ہیں)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حواس کی روح اور مدارکار فکر، قلب ہی ہے نہ کہ نظرِ چشم۔ فکر کی آنکھ نہ ہو تو حواس سب کے سب اندھے ہی رہ جاتے ہیں۔ گو وہ طبعی آمادگی سے دید و شنید کا کام بھی انجام دیئے جائیں۔ اس لئے قرآن حکیم نے منکرین کی ظاہری دید و شنید کو مانتے ہوئے بھی اس کی حقیقی کارکردگی کا انکار کیا ہے جبکہ اس کی غرض و غایت ہی اس پر مرتب نہیں ہوتی جو قوتِ فکر سے متعلق ہے کہ یہی فکر کی روح ان محسوسات کے پیکروں میں سے ان کی روح نکال کر لاتی ہے، ارشادِ حق ہے:

ومنھم من یستمعون الیک افانت تسمع الصم ولو کانوا لا یعقلون ومنھم من ینظر	اور (آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے کیونکہ) ان میں (گو) بعض ایسے بھی ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگا لگا کر بیٹھے ہیں۔ کیا آپ بہروں کو سنا کر ان کے

الیك افانت تھدی العمی	ماننے کا انتظار کرتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو اور (اسی طرح)
ولو کانوا لا یبصرون ۔	ان میں بعض ایسے ہیں کہ (ظاہراً) آپکو (مع معجزات وکمالات)
...	دیکھ رہے ہیں تو پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے
...	ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو۔

اس سے واضح ہے کہ سنکر کسی چیز کو ان سُنی کر دینا اور دیکھ کر ان دیکھی بنا دینا قوتِ فکر ہی کے تعطّل سے ہوتا ہے۔ جس کو قرآن نے عقل و ابصار سے تعبیر کیا ہے گویا حس مبصّر و مستمع میں یہ بنیادی شعور شامل نہ ہو جس کا قوتِ مفکرّہ کے غور و فکر سے تعلق ہے تو وہ مبصر اور مستمع بلحاظ حقیقت غیر مسموع اور غیر مبصّر کے حکم میں ہے۔ پھر اس طرح قرآن حکیم نے ایک دوسری جگہ ان منکروں کے حق میں فرمایا جو پیغمبر علیہ السّلام اور ان کے پیغمبرانہ اقوال و افعال کو دیکھتے اور سنتے تھے، اور طبعی اندازے سے وہ بینا اور شنوا بھی تھے۔ لیکن فکرِ قلبی نہ ہونے یا نہ برتنے سے ان کے یہ حواس، حیوانی حواس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے، اور ان میں وہ فکری شعور نہ تھا جو حقیقی معنی میں دیکھتا اور سنتا ہے جسے قرآن نے فقہ قلبی سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ حق ہے:

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم	ان کے دل ایسے ہیں کہ جن سے وہ سمجھتے نہیں ان کی
اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان	آنکھیں ایسی ہیں کہ جن سے وہ دیکھتے نہیں ان کے کان
لا یسمعون بھا اولئك کالانعام	ایسے ہیں کہ جن سے وہ سنتے نہیں ایسے لوگ چوپایوں
بل ھم اضل اولئك ھم الغافلون	کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ رو یہی لوگ
...	غافل ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ قلب کا محض طبعی شعور اصل نہیں جو حیوانات میں بھی موجود ہے بلکہ فقہ قلب اصل ہے۔ جس کا دوسرا نام قوتِ فکر ہے وہ نہ ہو تو حواس یا کام ہی نہ کریں گے یا کریں گے تو وہ ناقابلِ اعتبار رہے گا اور غیر قابلِ التفات، جس سے نمایاں ہے کہ قلبی نور اصل ہے، جس کا نام فکر ہے نہ کہ مطلقاً قلبی شعور جو چوپایوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

اسی طرح عقل کے بارے میں بھی قرآن کریم نے یہی فیصلہ دیا ہے کہ اس کی کارگذاری کے قابلِ التفات ہونے کا معیار بھی یہی قوتِ فکر ہے، عقل محض نہیں، یعنی عقل طبیعی کے سوچ بچار کے باوجود جبکہ قلب کا فقہی سوچ بچار اس کا منشار نہ ہو جس کا نام فکر ہے تو عقلی شعور بھی بے شعور اور ناقابلِ اعتنا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے قلوب کو جو بے فکرے ہوں قرآن نے عاقل نہیں کہا غافل کہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

ومن ایاتہ یریکم البرق خوفا	اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا

وطمعًا وینزل من السماء ماء	ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے۔ اور
فیحیی بہ الارض بعد موتھا	وہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پھر اسی سے زمین
ان فی ذٰلک لآیات لقوم	کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ان
یعقلون۔	میں سے ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے نمایاں ہے کہ برق و بخار اور بارش سے احیاء غبار (زمین) وغیرہ باوجود یہ کہ آنکھوں سے نظر آنے کی چیزیں ہیں جنہیں سب دیکھتے ہیں حتیٰ کہ چرند و پرند بھی، اور ان سے اس دنیوی زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ خوف و طمع کا اثر بھی لیتے ہیں، لیکن فرمایا یہ گیا ہے کہ ان حوادث میں قدرت کی نشانیاں پنہاں ہیں اور ان ہی کی پہچان کرانا مقصود بھی ہے۔ وہ صرف عقل لڑانے والوں ہی کے لئے ہیں۔ آنکھ لڑانے والوں کے لئے نہیں۔ اور عقل لڑانے کا نام ہی فکر کا استعمال ہے۔ جو عقل کو کام پر لگاتا ہے۔ بے فکری اور بے توجہی سے عقلی تگ و تاز بھی عبث اور بے نتیجہ رہ جاتی ہے۔ بہرحال حس ہو یا عقل، ذوق ہو یا وجدان بلا فکر کے نابینا اور بے نگاہ سمجھے گئے ہیں جس سے فکر کا بلند مقام کھل کر سامنے آجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جگہ جگہ مختلف دائروں میں انسان کو فکر و تدبر کی دعوت دی ہے۔ کہیں غور و فکر کیلئے انفسی آیات کہیں شرعی اور علمی آیات سامنے رکھی ہیں اور کہیں وجدانی اور لدنی آیات اور ان میں تدبر اور غور و فکر کا مطالبہ کیا ہے، انفسی آیات کیطرف رہنمائی کے لئے فرمایا؛

وفی انفسکم افلا تبصرون۔	تمہارے اندر (خود دلائل معرفت) موجود ہیں کیا تم غور نہیں کروگے۔

...

کہیں آفاقی آیات پیش کیں جیسے:

اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوات والارض۔	کیا تم آسمانوں اور زمین کے حقائق میں نظر (و فکر) نہیں کرتے۔

کہیں ان دونوں نوعوں کو جمع کر کے فرمایا:

سنریھم آیاتنا فی الآفاق	ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گرد و نواح
وفی انفسھم حتیٰ یتبیّن	میں بھی دکھادیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ
لھم انہ الحق۔	ان پر ظاہر ہوجائیگا کہ وہ قرآن حق ہے۔

کہیں شرعی آیات پیش کیں اور قرآن حکیم کو غور و تدبر کے لئے پیش کیا:۔

افلا یتدبرون القرآن ولو کان	کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور
من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ	کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔
اختلافاً کثیرا۔	

کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی حیاتِ طیبہ کی شان اور پاکیزہ سیرت وکردار میں غور کرنے کیطرف توجہ دلائی تاکہ اس سیرتِ پاک کو دیکھ کر آپ کی دعوت کی صداقت دلوں میں آجائے اور لوگ اسے ماننے کے لئے تیار ہوجائیں، فرمایا :۔

قل انما اعظکم بواحدۃ ان	آپ فرمادیں اے پیغمبر کہ میں تمہیں ایک ہی بات کی نصیحت
تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ	کرتا ہوں کہ تم دو دو اور ــــ ایک فرادی اٹھو اور پھر
ثم تتفکروا ما بصاحبکم	فکر کرو کہ کیا واقعی تمہارے ان ساتھی (پیغمبر) میں کوئی
من جنۃ ان ھو الا نذیر	دیوانگی یا جنون ہے ؟ وہ تو اس کے سوا کچھ اور نہیں ہیں
لکم بین یدی عذاب شدید	کہ تمہیں آخرت کے شدید عذاب سے ڈرانے والے ہیں
...	جو تمہارے سامنے آنیوالا ہے۔
اولم یتفکروا ما بصاحبکم	کیا یہ فکر سے کام نہیں لیتے اپنے (ساتھی پیغمبر) کے بارے میں کہ
من جنۃ ان ھو الا نذیر	کیا ان میں جنون ہے ؟ وہ نہیں ہیں مگر ایک کھلے ہوئے ڈرانے
مبین ۔	والے آخرت کے عذاب سے کیا یہ کسی مجنون کا کام ہے۔؟

یہی صورت وجدانیات کی بھی ہے کہ حقائق غیبیہ کے انکشاف میں بھی یہی قلبی فکر کام کرتا ہے جسکو لُب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس سے منکشف شدہ علوم ومعارف کو حکمت سے تعبیر کیا جاتا ہے قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی	جسے حکمت دیدی گئی اسے خیر عطا کردی گئی اور نصیحت
خیراً کثیرا وما یذکر الا اولوا الالباب	وہی قبول کرتے ہیں جو گہری عقل والے ہیں۔

حاصل یہ کہ مطلقاً عقل ایک طبعی غریزہ اور طبعی مادہ ہے ۔ جیسے بینائی اور شنوائی وغیرہ مگر وہ صورت عقل ہے جو مادۂ شعور ہے اور زیادہ سے زیادہ قیاس کے راستے سے کلیات کا ادراک کرلیتا ہے، لیکن لُب اور لُباب حقیقت عقل ہے جس سے حقائق کونیہ اور حقائق شرعیہ منکشف ہوتی ہیں۔ اسی کا نام فکر ہے۔ یہ حکمت جسے خیر کثیر کہا گیا ہے محض عقل طبعی سے برآمد نہیں ہوتی بلکہ عقل عرفانی سے منکشف ہوتی ہے جسے لُب کہا گیا ہے۔

بہرحال قرآن حکیم نے اس خاص قوتِ فکر کو جس کا تعلق قوانین الٰہی، معرفتِ خداوندی، حقائق نبوت اور اس کے ایقان کے انکشاف سے ہے جسے صبغۃ اللہ کہا گیا ہے اسی کو کہیں فقہ قلبی سے، کہیں لُبّ (عرفانی) کہیں نظر (باطن) سے کہیں بصیرت سے اور کہیں "الصابغ من اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے جو انسان کی ساری قوتوں، حواس، عقل، وجدان اور حاسّ وتجربے کو کام میں لگاتا ہے۔ اور یہ صرف انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

بہرحال قرآن حکیم نے فکر کو انسان کا بنیادی جوہر قرار دے کر اس کا مصرف انفس و آفاق تشریع و تکوین اور کمالات ذات و صفات نبوی اور معرفت الٰہی کو تبلایا ہے اور جگہ جگہ اسی کی دعوت دی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فکر و تدبر چشم بینا اور گوش شنوا کا کام نہیں بلکہ قلب متفکر ہی کا کام ہے۔ اور فکر ہی جب ان اعضاء و حواس وغیرہ کا امام بنتا ہے تو وہ اسکی اقتداء میں اپنا اپنا کام انجام دیتے ہیں اور پھر فکر ان میں سے اصولی، کلی اور علمی مقاصد تک پہنچ کر معرفت حق کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فکر ہی انسان کی امتیازی صفت ہے فکر ہی انسانی حقیقت کی فصل ممیز ہے۔ فکر ہی سے علم و معرفت کے دروازے کھلتے ہیں فکر ہی انسان کی ظاہری اور باطنی قوتوں کا امام اور سربراہ ہے۔ اگر فکر اسلام میں مطلوب نہ ہوتا تو اجتہاد کا دروازہ کلیۃً مسدود ہو جاتا اور شرائع فرعیہ امت کے سامنے نہ آسکتیں یہ بحث الگ ہے۔ کہ کس درجہ کا اجتہاد باقی ہے۔ اور کس درجہ کا ختم ہو چکا ہے۔ مگر اجتہاد کی جنس بہرحال امت میں قائم رکھی گئی ہے جو برابر قائم رہے گی اس لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے اگر اس بنیادی اصول بلکہ اصل الاصول کی طرف ہندوستان کے علمی حلقوں کی توجہ دلائی اور دنیا کے بدلتے ہوئے حالات میں فکر اسلامی کی تشکیل جدید کی دعوت دی، اور ارباب علم و فضل کو انسانی اور ربانی حقائق کے انکشافات کی طرف متوجہ کیا تو نہ صرف یہ کہ اس نے ایک بڑا بنیادی مسئلہ اٹھایا ہے بلکہ خود جامعہ کی تاریخ کو بھی دہرایا ہے کیونکہ جامعہ کی بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ نے رکھی تھی جس کا نصب العین ہی قدیم و جدید تعلیم کو یکجا کر کے ملت کی مختلف صلاحیتوں کو ایک مرکز پر جمع کر دینا تھا۔ تاکہ فکر واحد کے راستے سے قوم کے ان دو گروہوں قدیم و جدید کی دوئی ختم کر کے انہیں افکار و خیالات اور عقائد و مقاصد کی وحدت سے قوم واحد بنا دیا جائے۔ اس لئے بلاشبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اس اقدام میں تبریک و تحسین کی مستحق ہے، لیکن اس نئی نہضت اور فکر اسلامی کی تشکیل نو کے جذبات سامنے آنے پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس فکر کا علمی آغاز کس مرکزی نقطہ سے کیا جائے جس میں یہ تمام مذکورہ انواع جن کے لئے قرآن حکیم نے دعوت دی ہے سمٹ کر اسی مرکزی نقطہ کے نیچے جمع ہو جائیں اور کام بجائے پھیلنے کے سمٹ کر اس بنیادی نقطہ سے شروع ہو۔

> جامعہ کی بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ نے رکھی تھی جس کا نصب العین ہی قدیم و جدید تعلیم کو یکجا کر کے ملت کی مختلف صلاحیتوں کو ایک مرکز پر جمع کر دینا تھا!

(باقی آئندہ)